كلمة المدير

شرمناک کھیل

پاکستان میں جمہوریت کی تاریخ انتہائی شرمناک اور عبرت انگیز ہے۔ ماضی میں منتخب حکومتوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا رہا ہے وہ پاکستان کی سیاست کا سیاہ ترین باب ہے۔ نیز ان لوگوں کی سوچ اور فکر کا مظہر ہے جو کسی بھی حکومت کو مستحکم نہیں ہونے دیتے۔ حکومت سازی کا غیر دستوری غیر قانونی اور غیر جمہوری طریقہ ایجاد کیا گیا۔ پسند ناپسند کی بنیاد پر حکومت بنانے اور گرانے کا ایک پراسرار کھیل جاری ہے۔ ہر طالع آزما ایک کٹھ پتلی حکومت تشکیل دیتا ہے۔ مرضی کے کردار منتخب کرتا ہے جس کی ڈور مخصوص ہاتھوں میں ہے۔ جب جی بھرتا ہے ڈور کھینچ دی جاتی ہے اور نیا کردار سامنے آجاتا ہے۔ بظاہر پاکستان میں کئی مرتبہ انتخابات ہو چکے ہیں لیکن ہر مرتبہ عوامی رائے کا خون ناحق ہوتا ہے۔ ان ذلت آمیز فیصلوں پر عوام کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ سب پاکستان کے وسیع تر مفاد میں کیا گیا ہے۔ مگر آج تک وہ مفاد سامنا نہ آیا جس کے لئے کتنی ہی اسمبلیوں کا قتل عام ہوا۔

سابقہ روایات کا تسلسل جاری ہے طریقہ واردات تبدیل ہوا ہے۔ اس دفعہ اسمبلیاں برقرار رہیں جبکہ خود سے تراشے ہوئے وزیراعظم کو چلتا کیا گیا ہے۔ اس مرتبہ بھی قوم کے وسیع تر مفاد کا سہارا لیا گیا ہے۔ اور یہ سارے مفادات عنقریب شوکت عزیز سمیٹیں گے۔ عوام کو یہ کہہ کر لمبی نیند سلا دیا گیا کہ یہ سب عوامی مفادات ملک کی ترقی اور بہتری کیلئے کیا گیا ہے۔ بلاشبہ ایک لمبی منصوبہ بندی کا دیباچہ ہے جو چوہدری شجاعت حسین عبوری دور میں تحریر کریں گے۔

مسلم لیگ ہاؤس اسلام آباد میں منعقدہ اجلاس میں استعفیٰ پیش کرتے ہوئے جمالی نے فرمایا: تاریخ رقم کرنے کا یہ نادر موقع ہے جبکہ صدر مسلم لیگ نے کہا کہ یہ تاریخ ساز فیصلہ ہے لیکن باخبر لوگ اسے شرمناک کھیل سے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ یکے بعد دیگرے وزراء اعظم کی تبدیلی کے پس منظر میں کیا راز پوشیدہ ہے۔ یہ تو آنے والے وقت میں ظاہر ہوگا۔ لیکن عوام کا ایک طبقہ یہ بات شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ یہ مستقل طور پر امریکی مفادات کے تحفظ کی منصوبہ بندی ہے۔ شوکت عزیز سے بہتر یہ کردار کون ادا کرسکتا ہے؟ ورنہ کون نہیں جانتا کہ شوکت عزیز نہ تو عوامی نمائندے ہیں اور نہ ہی عوامی مزاج رکھتے ہیں یہ ایک حادثہ کے نتیجے میں پاکستان میں آئے اور اب مستقبل کے وزیراعظم ہونگے۔

پارلیمنٹ میں حکومتی اراکین کا کردار نہایت مایوس کن ہے وہ کسی طرح بھی اپنے ضمیر کے مطابق بات کرتے ہیں اور نہ ہی حق رائے دہی استعمال کرسکتے ہیں پارلیمنٹ کا مقصد تو باہمی مشاورت سے اور امور طے کرنا ہیں قومی مفادات کیلئے اس اعلیٰ پلیٹ فارم پر اہم فیصلے کرنے چاہئے لیکن گریجوایٹ اسمبلی اچھے بچوں کی طرح اوپر شو کرتے ہیں۔ اور پارلیمنٹ کی بالادستی تو صرف ایک خواب ہے۔ ممبران پارلیمنٹ یا تو شعور سے عاری ہیں یا نہیں مستقبل کے خطرات سے آگاہی نہیں، بلکہ ایک رائے یہ بھی ہے کہ اکثر اراکین کے خلاف نیب میں مقدمات درج ہیں اور ان کی بقا اور سلامتی اسی میں ہے کہ وہ سرکار کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ موجودہ اہم فیصلے اس کی بدترین مثال ہیں۔

متحدہ مجلس عمل جو دینی حلقوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی ہے جس کے لیڈر مولانا فضل الرحمٰن کو قائد حزب اختلاف ہونے کا شرف حاصل ہے۔ لیکن اس موقع پر ان کی خاموشی اور منافقانہ طرز عمل نے بہت سے شکوک وشبہات کو جنم دیا ہے۔ اور لوگ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ سرکار کی بی ٹیم ہے جو سرکاری پالیسیوں اور منصوبہ بندیوں کو منظور کرانے میں مدد دیتی ہیں۔ بائیکاٹ کا اعلان کرکے مخالفت کا تاثر دیتی ہے۔ لیکن ان کی غیر جانبداری دراصل حکومت کی حمایت ہوتی ہے اور سرکار کو من مانی کرنے میں موقعہ فراہم کرتی ہے۔ موجودہ رَوش برقرار رہی تو آئندہ عوام انہیں مسترد کردیں گے۔

رہی اے۔آر۔ڈی تو ان کا مخالفانہ کردار کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ ان کے سرکردہ لیڈر بھی فی الحال یہی چاہتے ہیں۔

پاکستان کی سیاسی صورت حال پر ممتاز دانشور آغا شورش کاشمیری نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

میرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

موجودہ حالت پر اس سے بہتر تبصرہ شاید ممکن نہ ہو۔

ہماری ارباب حل وعقد سے گذارش ہے کہ وہ سنجیدہ رویہ اختیار کریں، جگ ہنسائی کا سامان پیدا نہ کریں۔ قانون اور دستور کی بالادستی قائم کریں کسی بھی طالع آزما کو اکھاڑ پچھاڑ کی اجازت نہ دیں، اور نہ ہی اقتدار اور منصب کی خاطر کسی ڈکٹیٹر کی خوشامد کریں۔

سیاسی فیصلے پارلیمنٹ میں کریں اور اس کی بالادستی کو تسلیم کرائیں ایک دفعہ یہ تجربہ کریں اور پاکستان میں سیاسی استحکام پیدا کریں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ تمام فریق اپنا اپنا کردار ادا کریں گے تاکہ ترقی یافتہ اسلامی فلاحی مملکت کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو۔

قربت الٰہی کا بہترین ذریعہ

اسلام کے مزاج میں رہبانیت نہیں ہے۔ **لا رهبانية في الاسلام**
یہ خالص دین ہے جو حقیقت پسندانہ مزاج رکھتا ہے۔ اسکا ظاہر اور باطن ایک ہے اس کے عقائد روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ اس کی عبادات میں کوئی منزل

ایسی نہیں جس میں انسان بے بس ہو۔ اس کے اخلاقیات اور معاملات میں کسی رنگ و نسل، علاقے کی تمیز نہیں ایسا عادلانہ اور مساویانہ نظام جو محمود و ایاز کو ایک صف میں لا کھڑا کرے۔ اس میں تارک دنیا ہونا کوئی فضیلت نہیں رکھتا اور طالب دنیا ہونا بھی مستحسن نہیں؟ اسلام نے امت محمد ﷺ کو امت وسط کہا: وکذالک جعلنکم امة وسطا ...... الایۃ

اسلام نے زندگی گزارنے کا نہایت متوازن اسلوب دیا ہے۔ اور اس کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ مثالی نمونہ ہیں۔ آپ سے بڑھ کر نیکی طہارت بزرگی کا تصور ممکن نہیں ہے۔ پیغمبرانہ ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آپ کا تعلق اپنے خاندان اور قبیلہ سے بھی تھا۔ آپ نے شادیاں بھی کیں، آپ کے مراسم برادرانہ بھی تھے اور دوستانہ بھی۔ آپ صاحب قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ حکمران بھی تھے۔ آپ تہجد گزار اور صائم ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہد اور سالار بھی تھے۔ ایسی منصفانہ زندگی جس میں دنیاوی امور اور معاملات شامل تھے اور للّٰہیت اور خلوص پر مبنی دینی تقاضے بھی! آپ نے کبھی بھی یہ تلقین نہیں کی کہ کوئی دنیا سے کنارہ کشی کر کے نفس کشی پر لگ جائے بلکہ فرمایا: النکاح من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني. شادی اور خاندان کی ذمہ داری کو اپنی سنت قرار دیا یہی باعث ہے کہ صحابہ کرام جو دبستان نبوت کے اولین پھول تھے۔ جنہوں نے براہ راست نبوت کے چراغ سے روشنی پائی۔ اور اپنی آنکھوں سے پیارے پیغمبر ﷺ کی سیرت ملاحظہ کی۔ ان میں کسی ایک کی بھی مثال ایسی نہیں ملتی جنہوں نے دنیا سے کنارہ کشی کر کے حرم نبوی کے کسی کونے میں چلہ کشی کی ہو۔ اور اپنا رشتہ مسجد کے کسی ستون اور کسی کے دسترخوان تک محدود کیا ہو۔ صحابہ کرام کی عظمت تو اس میں تھی کہ انہوں نے ایک مجاہدانہ زندگی گزاری اور حجاز کے سنگلاخ پہاڑوں سے نکل کر افریقہ کے بیابانوں کو اسلام کی برکات سے سرفراز کیا۔ اور مشقت اور محنت، بھوک و پیاس، غربت و افلاس اور غریب الوطنی کو اسلام کی سربلندی کیلئے قبول کیا۔ اس کے باوجود وہ ولایت کے اس درجے پر فائز ہیں۔ جس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکا۔ جس کی خواہش پر قرآن نازل ہو، جن کے تابع دریا، جنگلی درندے اور حیوانات ہوں، جن کے قدم رکھتے ہی رواں دواں دریا جم جائے چشم فلک نے ان سے برگزیدہ شخصیات اور مستجاب الدعوات لوگ نہیں دیکھے۔

بدقسمتی سے برصغیر میں بسنے والے لوگوں کا مزاج، ہندووانہ رسم و رواج اور تہذیب سے شدید متاثر ہے۔ ہمارے نزدیک نیکی اور بزرگی کے پیمانے مختلف ہیں۔ وہ لوگ نہایت مقدس اور واجب الاحترام ہیں۔ جو خرق عادت امور میں حصہ لیتے ہیں۔ جو روایات سے ہٹ کر زندگی بسر کریں، جسمانی ریاضت اور مشقت سے اپنے آپ کو نحیف کر لیں، دنیا سے فرار حاصل کریں۔ حقیقت پسندانہ زندگی سے جی چرائیں، خلوت اور تنہائی میں بیٹھ کر وقت گزاریں۔ سادھو اور بھکشوں کی طرح رہے، وہ ہمارے نزدیک بڑا معتبر ہوتا ہے اور تصوف کی زبان میں وہ ''بابا'' کی مسند پر فائز ہو جاتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ برصغیر میں ایسے سینکڑوں ''بابے'' پائے جاتے ہیں جن کی حقیقی زندگی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلامی تعلیمات کے منافی اپنی من پسند زندگی گزارتے ہیں۔ یہ سلسلہ پاکستان تک محدود نہیں ہے، یہاں کی سرزمین تو خیر سے بہت زرخیز ہے۔ پاکستان کے طول و عرض میں روزانہ ایسے ''بابے'' جنم لیتے ہیں اور ایسی داستانیں چھوڑ کر غائب ہوتے ہیں کہ وابستہ لوگ اپنی عزت و ناموس کی خاطر حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے۔ لیکن اب یہ سلسلہ دراز ہو رہا ہے۔ آج سے بیس پچیس سال قبل مدینہ منورہ میں بھی ایک ''بابا بلیوں والا'' معروف ہوا تھا۔ غالباً ان کا تعلق جنوبی پنجاب سے تھا۔ اپنی حقیقی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کیا اور مسجد نبوی کے مشرق میں وقت گزارنے لگا لوگ یہ سمجھ کر کہ مسافر اور غریب الوطن ہے کھانا دے جاتے، سیر ہونے کے بعد جو بچتا بلیوں کو ڈال دیتا۔ چونکہ اس کے گرد ہمہ وقت بلیاں موجود رہتیں، لہٰذا بلیوں والی سرکار مشہور ہو گیا۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ بیگم ضیاء الحق جو اِن دنوں کثرت سے مدینہ منورہ جاتی تھیں ان کے پاس بطور خاص حاضر ہوتیں۔ اخبارات کے ذریعے یہ بات جب اہل پاکستان کو معلوم ہوئی تو پھر کیا تھا، حرم نبوی، روضۃ الجنہ سے بڑھ کر بابا بلیوں والا ہو گیا۔ لوگ دن بھر اس بات کے منتظر رہتے کہ کب وہ سرکار نظر آئے، تاکہ اس کی قدم بوسی کریں، حرم نبوی کی نمازیں، تلاوت، ذکر و اذکار، درود و سلام سب ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔ اور بابے کے وارے نیارے ہو گئے بھلا ہو مسجد نبوی کے ذمہ داران کا جب ان تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے اس بابے کو چلتا کیا۔

اب ایک نئے ''بابے'' کا انکشاف معروف کالم نگار، عرفان صدیقی نے ''بام حرم کا کبوتر'' کے عنوان سے کیا ہے۔ اور اس کی مکمل تفصیل بیان کر دی ہے اور اس کے شب و روز کی مصروفیات سے آگاہ کیا۔ اس کی نجی زندگی اور مجرد ہونے کا بھی انکشاف کیا ہے۔ نیکی، پاکیزگی، طہارت، زہد و تقویٰ اور عبادت میں مستغرق ہونا یقیناً بڑی خوبی ہے، لیکن یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ اس کا صحیح پیمانہ نبی اکرم ﷺ کی پاکیزہ زندگی ہے آپ سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی اسوہ حسنہ نہیں ہے۔ بابا عبدالمجید کا شمار بھی ان بزرگوں میں ہوتا ہے جو حقیقی زندگی سے نظریں چراتے ہیں۔ ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ اور چلہ کشی اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ہمیں باباجی کی نجی زندگی اور طرز عمل پر ذرا بھی اعتراض نہیں۔ وہ بااختیار ہیں اور بقول صدیقی صاحب انہوں نے دینی علوم کی منزلیں طے کی ہیں وہ بہتر جانتے ہیں کہ ان کا اسلوب زندگی پیغمبر اسلام کی زندگی سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ اس انکشاف کے بعد ان پاکستانیوں کا راستہ کون روکے گا جو عمرہ کیلئے احرام تو باندھیں گے لیکن ادائیگی سے قبل بابا عبدالمجید کے چوکھٹ پر جائیں گے۔ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کعبہ سے قبل اس ریستوران کے چکر کاٹیں گے جہاں سے باباجی روزانہ جسمانی غذا لاتے ہیں شاید عرفان صدیقی صاحب اس کالم کے مضمرات سے آگاہ نہیں ہیں۔ ہماری قوم عقائد میں وہ رسوخ اور پختگی حاصل نہیں کر پائی جس کا تقاضا اسلام نے کیا ہے۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ خود باباجی کے فیوض و برکات تو سمیٹ لیتے، روحانی اور باطنی راحت کو اپنے تک محدود رکھتے لیکن انہوں نے یہ کالم لکھ کر ستم کیا، ایک تو باباجی کیلئے مشکلات پیدا کیں۔ وہ آدمی جو شہرت اور ناموری سے کوسوں دور تھا سفید پوش تھا۔ حرم اور پاکستانی ریستوران کے درمیان اس کا راز قائم تھا جس کو فاش کر کے باباجی کو شرمندہ کیا۔

باباجی! اگر سچی لگن، اور صدق دل سے اس راہ کے مسافر ہیں تو انہیں اب اپنا مقام بدلنا ہوگا تاکہ ریاکاری کی تہمت سے بچ سکیں۔ آخر میں ہم اپنی قوم سے درخواست کرتے ہیں کہ بلاشبہ کوئی بھی شخص اعلیٰ درجے کا مسلمان اور نیکی کا پیکر ہی کیوں نہ ہو لیکن یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ایک مسلمان کیلئے نمونہ اور معیار ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ ہیں۔ آپ کا دیا ہوا اسوہ حسنہ ہی قابل تقلید ہے۔ لہٰذا حرم مکہ کی فضا میں پہنچ کر اللہ کے گھر سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں۔ اور قربت الٰہی کا بہترین ذریعہ اتباع رسول اللہ ﷺ ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ